ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.4 2021

احمد فرازؔ کی شاعری میں عصری شعور

THE REFLECTION OF AGE IN AHMAD FARAZ'S POETRY

امتیاز احمد، پی ایچ۔ڈی سکالر، شعبہ لسانیات وادبیات (اُردو) قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، پشاور
ڈاکٹر تحسین بی بی، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ لسانیاوادبیات قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، پشاور

Abstract:
Ahmed Faraz is one of the great poets of modern era. His real name was Syed Ahmed Shah. His first pen name was Sharar kohati but later on replaced by Faraz. The salient feature of his poetry is that he felt intensely all the trends, circumstances and events of his age, like creation of Pakistan, Pak-India war of 1965 and 1971, the political turmoil in Bengal, and martyrdom of political stalwarts i.e. Binazir Bhotto and Liaqat Ali Khan etc and all the martial laws implemented in the country.Faraz expressed all these ups and downs occurring in the political arena of the country in his poetry in a very befitting manner. He didn't care for the consequences of what he was putting in to black and white. Ahmad Faraz has always beautifully portrayed the conditions, events and trends of his time and admired the things which he found to be worth following while on the contrary he was a strong critic of things which he deemed detrimental for the society, in this regard Ahmad Faraz played a pivotal part in the evolution of a balanced and pleasant society which enhances the significance of his poetry a step further. This article covers Faraz's consciousness of his time and evaluates as to how far Faraz has reflected the situations, events and dominant trends in his poetry.

Key words: Reflection of Age, Trends, Modern Era, Ups and Downs, Befitting Manner, Black and White, Portray, Admire, Detrimental, Critic, Evolution, Balanced Society

کلیدی الفاظ: عصری شعور، رجحانات، جدید دور، نشیب و فراز، مناسب اسلوب، تحریر، تصویر کشی، ستائش، مضر، ناقد، ارتقا، متوازن معاشرہ

ادب، زندگی اور معاشرے کا ایک دوسرے کے ساتھ بہت ہی گہرا تعلق ہے۔ ادب زندگی کا عکس پیش کرتا ہے اور یوں اس کا ترجمان بنتا ہے۔ زندگی جیسی ہوتی ہے درحقیقت ویسا ہی ادب بھی تخلیق ہوتا ہے۔ ادیب ہمیشہ اپنے دور کے حالات، واقعات کی عکاسی کرتا ہے اور جو چیزیں قابل تقلید ہوتی ہیں، ان کی ستائش اور تعریف کرتا ہے اور جو چیزیں قابل مذمت اور معاشرے کے لیے زہر قاتل ہوتی ہیں، ان کی مذمت کرتا ہے۔ یوں ادیب متوازن اور خوش حال معاشرے کو پروان چڑھانے میں ہمیشہ اپنا کردار ادا کرتا رہتا ہے۔ اس اعتبار سے ایک اچھے ادیب کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ذاتی حالات کے علاوہ اپنے دور کا گہرا عصری شعور بھی رکھتا ہو اور اس دور کے حالات، واقعات اور جو غالب رجحانات ہو ان سب کا اسے احساس ہو اور پھر ان تمام چیزوں کو اپنے مخصوص اسلوب میں بیان کرنا بھی جانتا ہو۔ اس لحاظ سے احمد فرازؔ کا شمار جدید دور کے بہترین شعرا میں ہوتا ہے۔ آپ ان شعرا میں سے ہیں جو گہرا عصری شعور رکھتے ہیں۔ آپ کی شاعری میں اگر ایک طرف مزاحمتی اور انقلابی عناصر پائے جاتے ہیں تو دوسری جانب آپ کے ہاں معاملات حسن و عشق کا بیان بھی پایا جاتا ہے لیکن اس سے قطع نظر آپ کے ہاں گہرا عصری شعور بھی پایا جاتا ہے۔

''عصر'' عربی لفظ ہے اور اس کے معنی دن کا آخری حصہ، زمانہ یا وقت کے ہیں۔(۱) بالکل اسی طرح ''شعور'' بھی عربی لفظ ہے جس کے معنی سلیقہ، تمیز، دانش، عقل اور پہچان کے ہیں۔(۲)

ویسے تو شعور علم نفسیات کی اصطلاح ہے۔ اور علم نفسیات میں اس کی تین سطحیں بیان کی گئی ہیں۔ ''(ا) شعور (ب) تحت الشعور (ج) لاشعور'' (انور جمال، پروفیسر ''ادبی اصطلاحات'' اسلام آباد، نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۱۷ء، ص:۶۳)

لیکن یہاں اس سے مراد احساس اور آگہی ہے چونکہ شعور کے لیے احساس بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ ''حس'' واحد ہے جبکہ اس کی جمع ''احساس'' ہے۔ اسی طرح اس ضمن میں ایک اصطلاح ''حسّہ'' بھی استعمال کی جاتی ہے۔ جو کہ واحد ہے اور اس کی جمع ''حواس'' ہے۔ حواس کی تعداد پانچ ہیں: سامعہ، شامہ، باصرہ، لامسہ اور ذائقہ۔ دراصل ہوتا یوں ہے کہ ہم حواس کے ذریعے چیزوں کا احساس حاصل کرتے ہیں یہ احساس دراصل ایک حسی تجربہ ہوتا ہے جس سے گزر کر ہمیں ان چیزوں کا شعور اور ادراک حاصل ہو جاتا ہے۔

عام طور پر عصری شعور سے مراد اپنے عہد، زمانے یا وقت سے باخبر رہنا ہے، لیکن ادبی اصطلاح کے طور پر جب اسے استعمال کیا جائے تو مراد یہ ہوتا ہے کہ ادیب کس حد تک اپنے عہد کے اہم سماجی، سیاسی، اقتصادی اور عالمی حالات، واقعات اور غالب رجحانات کا شعور رکھتا ہے، کیا وہ ان چیزوں کا شعور رکھتا ہے؟ اور اگر رکھتا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.4 2021

ہے تو کس حد تک اس نے انہیں اپنے کلام کا حصہ بنایا ہوا ہے؟ یہاں یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ کسی ادیب کا اپنی زندگی کے ذاتی حالات و واقعات کو بیان کرنا اپنے ذاتی خول میں شاعری کر کے ادب تخلیق کرنا در صل ادب کا ایک پہلو ہے، جبکہ اس کے برعکس اپنے معاشرے کا فرد رہتے ہوئے سماج کے غالب رجحانات، حالات اور واقعات کو بیان کرنا ادب کا دوسرا پہلو ہے اور متوازن اور خوبصورت ادب کی تخلیق دونوں پہلوؤں کی حسین امیزش کا نتیجہ ہوتا ہے۔

احمد فرآز کی شاعری کا آغاز اور عصری شعور:

احمد فرآز کا اصلی نام سید احمد شاہ تھا۔ آپ نے ابتدا میں شرر کوہاٹی جبکہ بعد میں فرآز تخلص اختیار کیا۔ آپ کا آبائی شہر کوہاٹ تھا لیکن آپ کی پیدائش، ۱۲ جنوری ۱۹۳۱ء کو نوشہرہ میں اس وقت ہوئی جب آپ کے والد محترم جناب سید محمد شاہ برق، جو خود ایک اچھے شاعر تھے، بہ سلسلۂ ملازمت ضلع نوشہرہ میں تعینات تھے۔ آپ کی پیدائش کے بعد بہت جلد آپ لوگ پشاور منتقل ہوئے۔ آپ کا بچپن پشاور میں گزرا۔ پشاور میں پلے بڑھے اور یہیں تعلیم حاصل کی۔ پشاور کی زندگی اس اعتبار سے بہت اہمیت رکھتی ہے کہ یہاں، ابتدا ہی میں، آپ کو شعر و شاعری کا ماحول نصیب ہوا۔ آپ نے اپنی شاعری کا آغاز سکول کے زمانے سے کیا۔ آپ کی شاعری کم و بیش نصف صدی پر محیط رہی۔ آپ کی پہلی کتاب "تنہا تنہا" میں "بانو کے نام"، "صراف"، "اے بھوکی مخلوق"، "مجسمہ" اور "کھنڈر" جیسی لازوال نظمیں موجود ہیں جس سے آپ کے گہرے عصری شعور کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آپ کو نہ صرف اپنے ارد گرد کے حالات و واقعات کا احساس تھا بلکہ ایک حق پرست اور سچے شاعر ہونے کے ناطے جن چیزوں کو آپ نے محسوس کیا چاہے وہ غریب اور مظلوم عوام کا دکھ درد ہو یا حکومت کے ایوانوں میں بیٹھے سیاستدانوں کی عیاشیاں اور عوام سے لاپرواہیاں ہو یا پھر آمروں کی من مانیاں اور غیر جمہوری رویے ہو یا پھر بیوروکریسی، سیاستدانوں اور فوج کی سازشیں ہو یا پھر عالمی سطح پر ہونے والے معاملات ہو، ان تمام حالات و واقعات کو آپ نے بڑی غیر جانبداری اور ایمانداری سے بیان بھی کیا۔ حق بیان کرنے پر سمجھوتہ نہ کرنے اور سازشوں اور ظلم و ستم سے پردہ اٹھانے کی پاداش میں کئی بار آپ کو قید و بند کی صعوبتیں اور جلاوطنی تک بھی برداشت کرنی پڑی، لیکن اس کے باوجود آپ نے حق کی پرچار کی اور کوئی بھی چیز آپ کو راہِ حق سے نہ ہٹا سکی۔ اس اعتبار سے آپ کی شاعری ادب کی تاریخ میں اپنا ایک مخصوص مقام رکھتی ہے۔

احمد فرآز نے جو شعری مجموعے تصنیف کی ہیں ان میں نایافت، تنہا تنہا، میرے خواب ریزہ ریزہ، درد آشوب، بے آواز گلی کوچوں میں، شب خون، جاناں جاناں، پس اندازِ موسم، نابینا شہر میں آئینہ، سب آوازیں میری ہیں، غزل بہانہ کروں، بودلک منظوم شدہ ڈرامے، اے عشق جنوں پیشہ اور خواب گل پریشان ہے، شامل ہیں۔ آپ کے یہ تمام مجموعے اس اعتبار سے بھی بہت اہم ہیں کہ ان میں شروع سے لے کر آخر تک ہر مجموعے میں عصری شعور اپنے عروج پر ہے۔ احمد فرآز کی شاعری میں عصری شعور کا جائزہ لینے کے لیے ضروری ہے کہ ان کی شاعری کو اس وقت کے حالات و واقعات کے تناظر میں پرکھا جائے، تاکہ معلوم ہو کہ انہوں نے اس دور کے اہم واقعات اور غالب رجحانات کو کس حد تک اپنی شاعری میں سمویا ہوا ہے۔ اس لیے ذیل میں اس کی شاعری کا اس دور کے حالات اور رجحانات کے پس منظر میں جائزہ لیا جا رہا ہے۔

قیام پاکستان احمد فرآز کی نظر میں:

احمد فرآز کی شاعری کا باقاعدہ آغاز قیام پاکستان سے ایک آدھ سال پہلے ہوتا ہے۔ آپ کی پہلی تصنیف "تنہا تنہا" ہے، جو ۱۹۵۸ء میں چھپی، جس میں ۱۹۴۷ء تا ۱۹۵۸ء کے تمام سیاسی اور سماجی حالات و واقعات کا منظر نامہ موجود ہے۔ عام طور پر ہوتا یوں ہے کہ شاعر ابتدا میں غم جاناں کے قصے رقم کرتا ہے۔ محبوب سے اپنی والہانہ محبت کا اظہار کرتا ہے۔ اس کی ادائیں، نازک کمر اور زلف وغیرہ کو خوبصورت تشبیہات و استعارات میں بیان کرنے کی کوشش کرتا ہے اور بہت بعد میں کہیں جا کر وہ غم دوراں کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔ لیکن اس معاملے میں فرآز اردو شاعری کی روایت سے انحراف کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ کیونکہ کہ فرآز نے ابتدا ہی میں نہ صرف عاشق اور معشوق کے معاملات رقم کیے ہیں بلکہ ساتھ ساتھ اس نے ابتدا ہی میں پاکستان کے غریب عوام کے نہ صرف دکھ درد بیان کیے ہیں بلکہ حکمرانوں کی عیاشیاں، ان کے ظلم و ستم اور عوام کے حقوق سے لاپرواہیاں بھی بیان کی ہے بلکہ اُس دور کے سیاسی اور سماجی حالات اور واقعات پر کھل کر اپنی رائے پیش کی ہے۔ اس اعتبار سے فرآز ایک الگ روایت کے امین دکھائی دیتے ہیں۔ اس پہلے ہی مجموعے کو پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ ابتدا ہی سے شاعر کا عصری شعور اپنے عروج پر ہے۔ ان کے ابتدائی کلام میں عصری شعور کے بارے میں دستگیر شہزاد لکھتے ہیں:

> "ان کے پہلے شعری مجموعے "تنہا تنہا" میں اگرچہ رومانی جذبات کی فراوانی ہے، لیکن اس مجموعے 'بانو کے نام'، 'مجسمہ'، 'اے بھوکی مخلوق'، اور 'صراف' جیسی نظمیں بھی موجود ہیں، جو شاعری کے پختہ سیاسی، سماجی اور معاشی شعور کی غماز ہیں۔"(۳)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.4 2021

پاکستان کے قیام کا واقعہ فرآز کی ابتدائی زندگی میں رونما ہوتا ہے۔ چونکہ آپ ترقی پسند تحریک سے بھی وابستہ تھے اس لیے اس واقعے کو آپ نے تنقید کی نگاہ سے دیکھا۔ قیام پاکستان سے پہلے ہمارے آبا و اجداد نے جو سہانے خواب پاکستان کے لیے دیکھے تھے، قیام پاکستان کے بعد وہ ایک ایک کر کے ریزہ ریزہ ہو رہے تھے۔ آزادی سے پہلے متحدہ ہندوستان میں انصاف کا فقدان، عدم مساوات، قتل و غارت اور دنگا فساد اپنے عروج پر تھا لیکن آزادی کے بعد بھی جب عوام کو چین نہ ملا اور ہر طرف حکومتی ایوانوں میں سازشیں، لوٹ مار، غبن، عدم مساوات اور خون ریزی روزانہ کا معمول بن گیا، تو ان حالات نے پاکستانی عوام کا جینا دوبھر کیا، جس سے نہ صرف عوام بلکہ اہل قلم بھی متاثر ہوئے۔ ان حالات کو ایک حساس ادیب کی طرح احمد فرآز نے بھی محسوس کیا اور اپنی شاعری کا حصہ بناڈالا۔ فرآز کے نزدیک آزادی سے ہم نے زمین کا ایک ٹکڑا تو حاصل کر لیا لیکن یہ دراصل ایک کھنڈر کی مانند ہیں کیونکہ یہاں تباہی ہی تباہی دیکھی جاسکتی ہے۔ فرآز نے اپنی ایک نظم "کھنڈر" میں اس کا اظہار بڑی خوب صورتی سے کیا ہے۔ اس نظم میں وہ کہتے ہیں کہ ہم نے پاکستان کے بارے میں جو سوچا تھا کہ یہاں ہمیں شداد کی جنت، فرعون اور قارون کے خزانوں، جمشیدی جام اور نمرودی باغوں کی ہواؤں سے زیادہ اور قیمتی چیزیں میسر ہوں گی لیکن حقیقت اس کے بالکل الٹ نکلی۔ افسوس کہ ہم نے کیا سوچا تھا اور کیا نکلا۔ یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔

دراصل احمد فرآز کی یہ نظم "کھنڈر" اگر ایک طرف ہماری مٹتی تہذیب کا المیہ بیان کر رہا ہے تو دوسری طرف پاکستانی حکمرانوں کے نہ صرف پول کھول رہا ہے بلکہ اس دور کی بہت ساری حکومتی اور آمرانہ سازشوں سے بھی پردہ اٹھا رہی ہے۔ آزادی کے بعد کے پریشان کن حالات کو دیکھتے ہوئے فرآز ان حالات سے بہت غمگین ہو جاتے ہیں اور ان حالات کی عکاسی کے لیے انہوں نے اُلوؤں، چمگادڑوں، اور گیدڑوں کے خوبصورت استعارے کچھ اس انداز میں استعمال کیے ہیں کہ اس دور کے جو غاصب اور سازشی کردار ہیں وہ کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔ احمد فرآز غریب عوام کا استحصال کرنے والوں اور سازشی عناصر کو کچھ اس انداز میں بیان کرتے ہیں:

"یہاں بے شمار اُلوؤں کے بسیرے ہیں، چمگادڑوں کے ٹھکانے ہیں اور
گیدڑوں نے کئی غار کھودے ہوئے ہیں"(۴)

فرآز کی ابتدائی شاعری میں عصری شعور کی جب بات ہوتی ہیں تو اس کا پتہ اس کے مزاج میں تقابل کے عنصر سے بھی چلتا ہے۔ ان کی ابتدائی شاعری کا غور سے مطالعہ کریں، تو ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے کہ وہ بار بار قیام پاکستان سے پہلے اور بعد کے حالات و واقعات کا تقابل کر رہا ہو۔ وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ پہلے اور بعد کے حالات و واقعات میں کوئی خاص فرق نہیں ہے، اگر کوئی فرق ہے بھی، تو وہ محض چہروں کا اور علاقے کا ہے، باقی ظلم و ستم، جبر اور بربریت کا بازار پہلے بھی گرم تھا اور آج بھی۔ یعنی۔ پہلے اگر ہندوستان میں مسلمانوں کا بلاوجہ خون ہو رہا تھا، تو آج ایک عام مسلمان سے لے کر قائداعظم اور لیاقت علی خان جیسے ممتاز رہنماؤں تک کی موت پاکستان ہی میں ہو رہی ہے۔ احمد فرآز کے نزدیک یہ ہمارے پیارے وطن کی کمزوری، تباہی اور بربادی کا سبب بنتا جا رہا ہے۔ ان حالات نے ملک میں ہر طبقے کو پریشان کر رکھا ہے۔ چنانچہ عوام یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ پاکستان سے پہلے اور بعد کے حالات میں کوئی فرق نہیں۔ جس کی ترجمانی احمد فرآز نے اپنی شاعری شاعری میں بار بار کیا ہے۔ ایک جگہ ان حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

"در پیش ہے آج بھی وہ صورت
جو صورتِ حال کل رہی ہے"(۵)

احمد فرآز ایک حساس دل رکھنے والے شاعر ہیں۔ آپ ابتدا ہی سے حالات و واقعات کو نہ صرف محسوس کرتے ہیں بلکہ ایک سچے پاکستانی کی طرح ان نامساعد اور ناخوش گوار حالات سے پریشان ہو کر ملک کے لیے مختلف قسم کی خدشات کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ ان پریشان کن اور نامساعد حالات کی عکاسی احمد فرآز کبھی تو لہو، کبھی تاریکی اور کبھی چمن میں شگوفوں کے لرزنے کے ذکر سے کرتے ہیں۔ آپ کی شاعری میں ان ابتر حالات کی عکاسی بار بار کی گئی ہے۔ "تنہا تنہا" کی ایک غزل میں فرماتے ہیں:

"لرز رہے ہیں شگوفے چمن میں کھلتے ہوئے
حنائے دستِ صبا میں لہو کی لالی ہے"(۶)

بالکل اسی طرح ایک اور غزل کے مقطع میں کچھ یوں رقم طراز ہوتے ہیں:

"ایسی تاریکیاں آنکھوں میں بسی ہیں کہ فرآز

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.4 2021

رات تو رات ہے ہم دن کو جلاتے ہیں چراغ"(۷)

گویا فرازؔ نے اپنی شاعری کی ابتدا ہی میں نہ صرف معاملات عشق و عاشقی کے راز و نیاز اور شراب و شباب کے قصے چھیڑے ہیں بلکہ ساتھ ہی آپ نے اس دور کے تمام سیاسی، اقتصادی اور سماجی حالات و واقعات کا احاطہ بھی کیا ہے یعنی ابتدا ہی میں جہاں ان کے ہاں غم جاناں کا ذکر پایا جاتا ہے وہی ان کے ہاں غم دوراں کا بھی بھرپور اظہار پایا جاتا اسی طرح جہاں داخلیت ہے وہاں خارجیت بھی ہے جس کی زندہ مثال قیام پاکستان کا واقعہ ہے جو کہ احمد فرازؔ کی زندگی کے ابتدائی واقعات میں سب سے اہم واقعہ ہے اور اس اہم واقعے پر اپنی شاعری میں جس طرح اس پر اظہار خیال کیا ہے اس سے آپ کی عصری شعور کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

احمد فرازؔ اور مارشل لائی حکومتیں:

۱۹۵۸ء کا سال پاکستان کی تاریخ میں ہمیشہ ایک سیاہ باب کے ذیل میں یاد رکھا جائے گا کیونکہ اس سال پاکستان میں پہلی دفعہ جنرل ایوب خان نے مارشل لا لگایا۔اس کے بعد پاکستان کی تاریخ گواہ ہے کہ وقفے وقفے سے یہ سلسلہ جاری رہا بلکہ یہ سلسلہ تاحال روکا نہیں ہے۔ غیر مستحکم پاکستان میں مارشل لا کا نفاذ ابتدا میں عوام کو ایک تازہ ہوا کا جھونکا لگا لیکن بہت جلد یہ امیدیں اور خواہشات جو عوام نے مارشل لائی حکومت سے وابستہ کر رکھی تھی، کافور ہوئیں۔ان حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے احمد فرازؔ نے فوج اور بیوروکریسی پر خوب طنز کے تیر برسائے، حالانکہ ایسا کرنے کے لیے اس دور میں بہت بڑے حوصلہ اور جرأت کی ضرورت تھی۔ دراصل انہیں فوج اور بیوروکریسی سے نہیں بلکہ فوج اور بیوروکریسی کے مکروہ رویوں اور ان کے پالیسیوں سے سخت نفرت تھی۔ان کے نزدیک جو حکومت ڈنڈے کے زور پر اور آمر کی حیثیت سے کی جائے ان کے تمام منصوبے بھی عوام دشمن ہوتے ہیں۔اس لیے تو فرازؔ ہر موقع پر آمریت کی مخالفت کرتے کھائی دیتے ہیں۔ تنہا تنہا، نایافت، شب خون بلکہ تمام شعری مجموعوں میں آپ نے آمریت کی شدید مخالفت کی ہے۔احمد فرازؔ جب بھی آمریت پر قلم اٹھاتے ہیں یہ ثابت کرتے ہیں کہ آمریت عوام کے حق میں سم قاتل ہے۔ فرازؔ کے مطابق آمر جب بھی آتا ہے، ہر گھر کی خوشیاں، چین اور سکون لوٹ کر لے جاتا ہے اور آمریت میں قتل و غارت اور خون خرابے کے سوا کچھ بھی نہیں ۔اس لیے تو احمد فرازؔ "نایافت" میں اپنی ایک غزل میں لکھتے ہیں۔

"وہ ایک شخص کہ سورج کے روپ میں آیا
چرا کے لے گیا شمعیں فرازؔ ہر گھر کی"(۸)

بالکل اسی طرح ایک اور غزل اس خون ریزی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تمام شہر ہے مقتل اسی کے ہاتھوں سے
تمام شہر اسی کی دعائیں دیتا ہے"(۹)

ضیاء الحق کے مارشل لا میں فرازؔ کے مجموعے "نابینا شہر میں آئینہ"، "پس انداز موسم" اور "بے آواز گلی کوچوں میں" منظر عام پر آئے اور ان تینوں میں جنرل ضیاء الحق کے مارشل لا کی شدید مذمت کی گئی ہے۔ درحقیقت پاکستان میں جب بھی کبھی مارشل لا لگایا گیا چاہے وہ جنرل ایوب خان کا ہو یا جنرل یحییٰ کا یا ضیاء الحق کا اور یا پھر جنرل پرویز مشرف کا اور آمریت کی ہوا چلی تو فرازؔ نے کھل کر اس پر اظہار خیال کیا اور اپنی شاعری میں کھل کر اس کی مذمت کی بلکہ مشرف کے مارشل لا کے زمانے میں جب حکومت وقت نے ہلال امتیاز سے آپ کو نوازا تو آپ نے احتجاجاً یہ اعزاز واپس کر دیا۔ نتیجے کے طور پر سول حکومت نے بھی جو اعزازت فرازؔ کو دیے تھے، واپس لے لیے۔ لیکن اس کے باوجود فرازؔ نے اپنی راہ نہیں چھوڑی۔ ویسے تو آپ کی بہت ساری نظمیں مارشل لائی حکومتوں کی مذمت میں لکھی گئی ہیں لیکن اس ضمن میں "پیشہ ور قاتلو! تم سپاہی نہیں" اور "محاصرہ" کو جو پزیرائی ملی وہ کسی اور نظم کو نہ مل سکی۔ لیکن بات یہاں تک نہیں رکتی بلکہ کسی جمہوری حکومت نے بھی اگر کسی غیر جمہوری عمل میں حصہ لیا، تو اس کی بھی احمد فرازؔ نے بھرپور انداز میں مذمت کی ہے۔ اس ضمن میں ذوالفقار علی بھٹو نے جب فوج کو حد سے زیادہ اختیارات دیے تو آپ نے اپنی نظم "پیشہ ور قاتلو! تم سپاہی نہیں" میں اس کی بھرپور مذمت کی۔ جس سے ان کی آگہی اور سیاسی شعور کا خوب اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

پاک بھارت جنگیں اور عالمی تنازعات فرازؔ کی نظر میں:

پاکستان کے بارے میں ہندوستانیوں کے خیالات ابتدا ہی سے کچھ اچھے نہیں تھے۔ انہوں نے بہت پہلے کہا تھا کہ پاکستان اول تو بنے گا ہی نہیں، اور اگر کسی طرح بن بھی گیا، تو زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ پائے گا۔ لیکن جب پاکستان بن گیا تو ہندوؤں کو یہ بہت ناگوار گزرا۔ چنانچہ اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے انہوں پاکستان کے خلاف ہر وقت سازشیں اور ناپاک منصوبے بنانے شروع کر دیے۔ لیکن جب ان کی ہر سازش ناکام ہوئی تو بالآخر ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کی رات پاکستانی سرزمین پر حملہ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.4 2021

کیا۔ اس جنگ سے پیدا ہونی والی تباہی اور بربادی پر فرآز خون کے آنسو روتے دکھائی دے رہے ہیں۔ جس کا اظہار بار بار وہ اپنی شاعری میں بھی کرتے ہیں۔ آپ کی ایک نظم "میں کیوں اداس نہیں" میں اپنے غم کو کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

"دلاورانِ وفا کیش کی شہادت پر
مرا جگر بھی لہو ہے پہ وقف یاس نہیں" (۱۰)

فرآز جنگوں سے پیدا ہونے والی صورت حال میں اپنے وطن سے محبت کا راگ الاپتے الاپتے عالمی سطح تک پہنچ کر امن کی بات کرتے ہیں۔ وہ جہاں کہیں بھی ظلم و ستم دیکھتے ہیں، اس پر خون کے آنسو روتے ہیں۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں بھارت نے کوہاٹ پر بمباری کی تھی جس سے بہت ساری جانیں ضائع ہوئی تھی۔ جس پر فرآز نے ایک نظم "اے مرے شہر!" لکھی ہے۔ جس میں فرآز لکھتے ہیں کہ اے میرے وطن! جب دشمن تجھ پہ بمباری کر رہا تھا تو اس وقت میں بہت پریشان تھا لیکن صرف تیرے لیے نہیں بلکہ میرا سارا ملک اس وقت جل رہا تھا جس پر میں خون کے آنسو رو رہا تھا۔ گویا فرآز یہاں کوہاٹ کے ساتھ ساتھ پورے پاکستان کے المیے کو بیان کرتے ہیں، بلکہ وہ علاقائیت کے بجائے پاکستانیت کی بات کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ بہت اہم بات ہے کہ جیسے وہ تمام پاکستانیوں کو یہ درس دے رہے ہوں کہ ہمیں اپنے علاقے کو تو اہمیت دینی ہی چاہیے لیکن جب بات ملک کی ہو تو اس وقت ملک کی خاطر ہمیں باقی تمام چیزوں کو بھلانا چاہیے اور صرف ملک کی فکر کرنی چاہیے۔ گویا، وہ یہاں علاقیت کی بجائے پاکستانیت کو فروغ دینے کا درس دے رہے ہیں اور اس لیے وہ اپنے شہر کوہاٹ کو مخاطب کرتے ہوئے معذرت خواہانہ انداز میں فرماتے ہیں:

"مگر اس گھڑی میرا سارا وطن
ظلم کی رد میں تھا
میرا سارا چمن
آگ کی حد میں تھا" (۱۱)

اس نظم یعنی " اے مرے شہر!" میں آگے چل کر فرآز صرف اپنے آبائی وطن کوہاٹ اور اپنے ملک پاکستان کی نہیں بلکہ اپنے آبائی شہر کوہاٹ ،پشاور، لاہور، بنگال اور پاکستان کی بات کرتے کرتے مقبوضہ کشمیر، ہیروشیما اور ویت نام وغیرہ کا بھی ذکر کرتا ہے۔ وہ جس طرح کوہاٹ، پشاور، لاہور یعنی پورے پاکستان میں امن اور شانتی چاہتے ہیں بالکل اسی طرح آپ مقبوضہ کشمیر، ہیروشیما، فلسطین اور ویتنام وغیرہ میں بھی امن قائم ہوتے دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان تمام باتوں سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ پوری دنیا کے سیاسی، سماجی اور جنگی حالات و واقعات پر آپ کی کتنی گہری نظر تھی بلکہ نہ صرف یہ کہ آپ پوری دنیا کے حالات و واقعات سے واقف تھے بلکہ جتنا غم اسے کوہاٹ، پشاور، لاہور، کشمیر اور بنگال کا تھا، اتنا ہی غم انہیں کوریا، ویتنام، ناگاساکی اور ہیروشیما وغیرہ کا بھی تھا۔ اس اعتبار سے فرآز کے دل میں پوری انسانیت کے لیے ایک انتہائی نرم گوشہ موجود تھا جو بہت کم شعراء کے ہاں پایا جاتا ہے۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے تناظر میں وہ پوری دنیا کا المیہ کچھ اس انداز میں بیان کرتے ہیں:

"ساری دنیا کی مظلومیت، میری آہوں میں تھی
بنگال کا نام، کوہاٹ تھا
کاشمیر
کوریا
ہیروشیما کا ویتنام کا نام، کوہاٹ تھا" (۱۲)

احمد فرآز کے نزدیک صرف کوہاٹ یا پھر پاکستان میں خون کی یہ ہولی نہیں کھیلی جا رہی بلکہ یہ صورتِ حال تو آج ہر جگہ چاہے وہ مقبوضہ کشمیر ہو یا فلسطین ہو یا پھر ویت نام اور ہیروشیما وغیرہ ہو، پوری دنیا میں قتل و غارت اور خون ریزی کا بازار گرم ہے۔ دراصل فرآز ایک پر امن اور خوش حال دنیا کا خواب دیکھتے ہیں اور خون ریزی کی ہر طرح سے مذمت کرتے ہیں۔ اس لیے تو اپنے مذکورہ بالا نظم میں مزید لکھتے ہیں:

"تو مرا شہر ہے
پر مرا شہر تو آج ساری زمیں ہے
فقط تو نہیں ہے" (۱۳)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.4 2021

فرآز امن اور شانتی کے بہت بڑے حامی تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ دنیا میں چار سو امن اور سکون ہو۔ آپ نے ہمیشہ جنگ و جدل کی مخالفت کی۔ جنگوں سے آپ کو نفرت تھی لیکن ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگوں کے لیے جس طرح پاکستان کو مجبور کر دیا گیا، وہ سب کچھ فرآز کے سامنے تھا۔ اس لیے ایک مُحب وطن اور سچے پاکستانی کی حیثیت سے احمد فرآز نے ۱۹۷۱ء کی جنگ میں اپنی شاعری کے ذریعے عوام اور فوج کا خوب حوصلہ بڑھایا۔ انہوں نے اپنی ایک نظم "چلو پھر ہم صف آراہوں" میں ۱۹۶۵ء کی جنگ کی طرح ایک دفعہ پھر ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی تلقین کی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ دشمن اپنے ناپاک منصوبے کے تحت ہمارے ملک میں فساد برپا کرنے آیا ہے۔ لہٰذا اے جوانوں! اپنی جانوں کے نذرانے پیش کرتے ہوئے دشمن کو عبرت ناک شکست سے دوچار کرنے کے لیے صف آراہ ہو جاؤ اور اس طرح لڑو کہ دشمن کو شرمندگی اٹھانی پڑے اور بہادری سے لڑتے ہوئے اپنے ملک کی حفاظت کرو۔ فرآز اپنی اس نظم میں بار بار جوانوں کا جذبۂ جہاد ابھارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے جوانوں! میدان جنگ میں اس طرح لڑو کہ تمہارا دشمن اول تو زندہ ہی نہ لوٹے اور اگر کسی طرح لوٹے بھی، تو شرمندگی کے ساتھ ہی لوٹے۔ ویسے تو یہ ساری نظم ہی جوش اور جذبے سے بھری ہوئی ہے لیکن یہاں نمونے کے طور پر کچھ اشعار پیش کیے جارہے ہیں جس میں جوش اور جذبہ عروج پر ہے:

"گنوا کر اپنے جسم و جاں
بہا کر اپنا خوں جائیں
عدو سفاک ارادوں سے
اگر آئیں تو یوں جائیں
کہ شرمندہ دوبارہ ہوں
چلو ہم پھر صف آراہوں" (۱۴)

فرآز اپنے وطن کے جوانوں کا جذبہ جہاد گرمانے اور ان میں جوش پیدا کرنے کے لیے مختلف جنگی ترانے اور نغمے لکھتے ہیں۔ ان نغموں اور ترانوں سے اس کی حب الوطنی کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ آپ کا یہ جذبہ حب الوطنی اور وطن پر مر مٹنے کا جوش آپ کی شاعری کی جان ہے۔ آپ کے اس جذبے کے بارے میں محبوب ظفر لکھتے ہیں:

"فرآز نے بہت سے ترانے لکھے اور لاجواب لکھے۔ ان ترانوں میں مٹی کی خوشبوں اور وطن کی محبت موجزن ہے ۔ولولوں کا ایک جہاں آباد ہے۔ جذبوں کی آتش اور فکر کی جولانی ہے۔ مٹی کی محبت میں اس کے دریاؤں جیسی روانی ہے۔"(۱۵)

سانحہ بنگال نے تمام پاکستانیوں کی طرح فرآز کو بھی بہت غمگین کر دیا۔ بنگال کا غم اسے بھلائے نہیں بھولتا۔ اس ضمن میں اس کی نظمیں "میری آنکھیں، میرا چہرہ لاؤ"، "سحر کے سورج" اور "بنگلہ دیش" بہت اہمیت کی حامل ہیں جس میں انہوں نے ان حالات کی بھرپور عکاسی کر رکھی ہے۔ "جاناں جاناں" میں بھی اس طرح کے خیالات کا اظہار ملتا ہے۔ ان کے نزدیک قیام پاکستان کے دوران ہجرت اور دنگے فسادات کے زخم ابھی پوری طرح سے مندمل نہیں ہوئے تھے کہ سانحہ بنگال نے ایک دفعہ پھر پوری قوم کو زخمی کر دیا۔ سانحہ بنگال کے بارے میں وہ "جاناں جاناں" کی ایک غزل میں اپنے خیالات کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں:

"یہ کون پھر سے انہی راستوں میں چھوڑ گیا
ابھی ابھی تو عذابِ سفر سے نکلا تھا
یہ اب جو آگ بنا شہر شہر پھیلا ہے
یہی دھواں مرے دیوار و در سے نکلا تھا" (۱۶)

یہاں یہ بات اہم ہے کہ فرآز ہمیشہ سے جنگ و جدل سے نفرت کرنے والے اور امن کے داعی اور حامی ہیں ۔ لیکن بات جب ظلم و ستم کی ہو اور کوئی جنگ کے لیے مجبور کر دے تو ان حالات میں وہ ظالم اور جابر کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے ہوئے اس کے خلاف جہاد کرنے کا ترانہ گنگناتے ہیں۔ اس لیے معاملہ چاہے ۱۹۶۵ء کی جنگ کا ہو یا ۱۹۷۱ء کی جنگ کا یا پھر مقبوضہ کشمیر میں بھارتی مظالم ہو یا پھر عالمی سطح پر ہیروشیما، ویتنام اور فلسطیں میں ہونے والے مظالم اور فسادات ہو، فرآز ہر

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.4 2021

جگہ باطل قوتوں کے خلاف ایک ہی ترانہ گنگناتے نظر آتے ہیں۔ اور وہ ترانہ ہے دشمن کا گھمنڈ توڑنے کا۔ اس لیے احمد فرازؔ "شب خون" میں اپنے ایک ترانے میں کچھ یوں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں:

"چلو کہ دشمنو کا یہ گھمنڈ
توڑ دیں
جو ہاتھ ہم پہ ظلم کا اٹھے
اسے مروڑ دیں" (۱۷)

احمد فرازؔ اور پاکستانی جمہوریت:

قیام پاکستان کے بعد ملک میں مایوس کن حالات پنپنے کی فرازؔ کے نزدیک ایک بڑی وجہ ملک میں جمہوریت کی ناکامی تھی۔ چونکہ پاکستان بنتے ہی یہاں مغربی جمہوریت کی بنیاد رکھی جاتی ہے، جو کہ کسی بھی طرح سے پاکستان کے حق میں درست فیصلہ ثابت نہیں ہوا کیونکہ نہ تو حکومتیں چلی اور نہ آمریت نے عوام کو چین، سکون اور آمن کا ماحول فراہم کیا۔ بلکہ یہاں سے پاکستان میں سازشوں کا ایک ایسا گھناؤنا سلسلہ شروع ہوا، جو بد قسمتی سے تاحال ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا۔ فرازؔ کے نزدیک نظام چاہے اسلامی جمہوریت کا ہو یا مغربی جمہوریت کا، لیکن اگر بادشاہی آمر بن جائے اور تمام فیصلے خود کریں تو یہ نظام عوام کے لیے محض سم قاتل ہی ثابت ہوتا ہے اور عوام صرف اور صرف بیزار ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے اس طرح کی جمہوریت کو ملکویت کے مترادف گردانا ہے۔ فرازؔ کے نزدیک وہی نظام بہتر نظام ہے جس میں ایک عام آدمی بغیر کسی رکاوٹ اور پرچی کے اپنا فریاد حاکم وقت کے پاس لے جائے اور اس کے درد کا مداوا ہو سکے۔ وہ برائے نام جمہوریت کو عوام اور ملک کے حق میں زہر قاتل سمجھتے ہیں۔ اپنی ایک نظم "۲۳ مارچ" میں پاکستانی جمہوریت پر کھل کر اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پاکستان میں موجودہ نظام، یہاں کے عوام کو ان کا حق دینے میں بالکل ناکام ہے۔ یہاں چاہے کوئی مرے یا جئے حکمرانوں کو کسی کی پرواہ نہیں ہے۔ ان حالات میں بھی حکمران جمہوریت کو بچانے کا راگ الاپتے رہتے ہیں۔ یہاں حکمران طبقہ عیش و عشرت میں پڑا ہوا ہے اور غریب عوام کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ اس لیے اس طرح کے آمروں اور سیاست دانوں پر طنز کرتے ہوئے فرازؔ لکھتے ہیں:

"مہ و نجوم رہے بزم شہر یاراں میں
نگاہِ خلق ترستی رہی کرن کے لیے
تو کیا یہی غم جمہور کے تقاضے ہیں
نظر اٹھا کے نہ دیکھیں کوئی مرے کہ جئے" (۱۸)

فرازؔ نے حکومتی ایوانوں میں بیٹھے ان سیاست دانوں پر خوب طنز کے تیر چلائے ہیں جو ہر وقت اور ہر معاملے میں مغربی جمہوریت کی بقا کا راگ الاپتے رہتے ہیں۔ ہر مسئلے کا حل انہیں جمہوریت کی بقا میں دکھائی دیتا ہے۔ فرازؔ کے نزدیک آج جو ہر معاملے میں جمہوریت کی بقا کی بات کرتے ہیں، یہ وہی لوگ تھے، جو کل متحدہ ہندوستان میں مغرب کے پٹو بنے ہوئے تھے اور ان کے اشاروں پر ہندوستان میں سازشیں کرتے تھے۔ فرازؔ کے مطابق یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ کل بھی یہ لوگ حکومتی ایوانوں میں بیٹھے تھے اور آج پاکستان میں بھی یہیں لوگ ہمارے حاکم بنے ہوئے ہیں۔ ان سے عوام کے فلاح اور بہتری کی توقع کرنا سمجھ سے باہر ہے۔ اپنی ایک رباعی میں فرازؔ نے ہمارے ان مغرب کے پٹو اور بے حس حکمرانوں کو مجموعی طور پر "مغرب کے سوداگر" کہا ہے اور ساتھ ہی اس بات کا بھی اظہار کیا ہے کہ ان سوداگروں سے خیر اور بھلائی کی امید کرنا بہت بڑی حماقت ہے۔ احمد فرازؔ اس سلسلے میں کچھ یوں رقم طراز ہیں:

"تم آبِ حیات مانگتے ہو ان سے
جو لوگ فقط زہر کے سوداگر ہیں" (۱۹)

گویا احمد فرازؔ ابتدا ہی سے آمریت کے خلاف تھے۔ ایک ایسے نظام کے جس میں تمام تر فیصلے فردِ واحد کریں اور ہر معاملے میں اپنی من مانی کرے، آپ اس کے سخت ناقد تھے۔ آپ برائے نام جمہوری نظام کے بھی خلاف تھے جس میں غریب کے درد کا مداوا نہ ہو سکے۔ وہ ایک ایسا نظام چاہتے تھے جس میں ایک عام آدمی اور حکمران کے بیچ فاصلہ بالکل نہ ہو، اور وہ آسانی سے اپنے مسائل حاکمِ وقت کے پاس لے جا سکے اور اس کا مداوا بھی ہو سکے۔

احمد فرازؔ کی ترقی پسندی:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.4 2021

احمد فرآز ابتدا ہی سے علامہ عنایت اللہ خان کی ایک تحریک "خاکسار تحریک" سے جُڑے رہے۔ لیکن جب ترقی پسند تحریک پشاور پہنچی، تو نہ صرف یہ کہ آپ ترقی پسند تحریک کا حصہ بن گئے، بلکہ ترقی پسند تحریک، پشاور کے آپ جنرل سیکرٹری بھی منتخب کر دیے گئے۔ یہاں سے آپ کی ترقی پسندی کا سفر شروع ہوا۔ جس پر آخری دم تک آپ قائم رہے۔ ترقی پسندوں کے نزدیک چونکہ انسان کا سب سے اہم مسئلہ روزی، روٹی، معاش اور آزادی وغیرہ ہے اور ترقی پسند ادیب کا فرض ہے کہ وہ دکھی انسانیت کے تمام مسائل کو ادب کا حصہ بنائے۔ اس لیے ایک سچے ترقی پسند کی حیثیت سے احمد فرآز نے بھی پاکستان کے نامساعد حالات کو دیکھتے ہوئے ہمیشہ دکھی اور غریب انسانیت کے حق کا علم بلند کیا۔ وہ ہمیشہ جاگیر دارانہ نظام کے خلاف تھے اور ایک ایسا نظام جہاں غریب مزید غریب ہو جائے اور امیر امیر ترین بن جائے، اس کے آپ سخت ناقد تھے۔ اس بارے میں فرآز خود ہی کہتے ہیں:

> "میں نے ترقی پسند تحریک میں عملی کردار ادا کیا اور اپنے اشعار کے ذریعے بھی اس کی حمایت جاری رکھی۔ ہمیشہ سے جاگیر دارانہ نظام کے خلاف ہوں، جہاں امیر امیر ترین اور غریب غریب تر ہوتا ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ بھی ہو سکتی ہے کہ میرا تعلق بھی متوسط طبقے سے تھا۔"(۲۰)

آزادی کے بعد غیر مستحکم پاکستان میں عدم انصاف اور سیاسی، معاشی اور معاشرتی حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے، اس دور کے عوام کی وہ تمام خواہشات جو انہوں نے آزادی سے وابستہ کر رکھی تھی، ایک ایک کر کے ریزہ ریزہ ہوئیں۔ ایسے میں فرآز بھی فیض احمد فیض اور دوسرے ترقی پسندوں کی طرح اس برائے نام آزادی کو سیاہ رات سے تعبیر کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ فرآز کا خیال ہے کہ آزادی کا چاند نکلتے ہی ہمارا تو دل ڈوب ہی گیا اور جب ایسے ہی حالات ہو تو چاند کے نکلنے سے اچھا تھا کہ چاند نہ نکلتا بلکہ ہمارے حق میں تو چاند کے بغیر غلامی کی شبِ تیرہ ہی غنیمت تھی۔ دراصل یہاں چاند کے نکلنے سے دل کا ڈوب جاتا، بدقسمت عوام کے خوابوں کے چکنا چور ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ احمد فرآز اپنی غزل کے ایک شعر میں برائے نام آزادی کی طرف کچھ یوں اشارہ کرتے ہیں:

"شبِ تیرہ ہی غنیمت تھی فرآز
چاند نکلا ہے تو دل ڈوب چلا" (۲۱)

بالکل اسی طرح احمد فرآز اپنی غزل کے ایک اور شعر میں اسی برائے نام آزادی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے ایک وقتی خوشی قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

"نشۂ احساس خوشی وقتی نے اندھا کر دیا
برق بھی چمکی تو ہم سمجھے چراغانِ بہار" (۲۲)

اسی طرح اپنی ایک نظم "بھول" میں ایک سچے ترقی پسند شاعر کی طرح عوام کے حق کی بات کرتے ہیں۔ فرآز کہتے ہیں کہ یہ ایک المیہ ہے کہ آزادی حاصل کرنے کے باوجود چاروں طرف پاکستانی عوام کے حقوق غصب ہو رہے ہیں۔ ان کی الجھنوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ انہیں امن اور سکون بھی نہیں مل رہا۔ اس نظم میں احمد فرآز چمن میں ببول، بہاروں میں سائے، دلوں میں اداسی، خیالوں میں تلخی، دماغوں میں الجھن اور گلستان میں خزاں جیسے مرکبات استعمال کرتے ہوئے نامساعد اور پریشان کن حالات سے پردہ اٹھاتے ہیں۔ یہاں احمد فرآز ایک انتہائی تلخ حقیقت نگار کی صورت میں نظر آتے ہیں جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ خود ان نامساعد حالات سے متاثر ہو رہے تھے۔ جس کی عکاسی ان کے ہاں جگہ جگہ ملتی ہے۔ اس لیے تو احمد فرآز لکھتے ہیں:

"وہی چار سو دکھے دکھے الاؤ
وہی گلستان میں خزاں کا رچاؤ
وہی چاند تاروں پہ کہنہ دھندلکے، وہی ظلمتوں کا پرانا اصول
مگر کون سمجھے یہ کس کی تھی بھول؟" (۲۳)

احمد فرآز کی ترقی پسندی ان کی ایک نظم "سیلاب" میں بھی دیکھی جا سکتی ہے، جس میں آپ نے تلخ حقائق بیان فرمائے ہیں۔ آپ نے غریب اور مفلس عوام کی تنگ دستی اور غربت کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ فرآز اس نظم میں کہتے ہیں کہ دراصل ہمارے ہاں تباہی اور بربادی کا ایک سیلاب آیا ہوا ہے، جو صرف بے چارے غریب کو اپنے ساتھ بہا کر لے جا رہا ہے۔ ان کے مطابق ہمارے ہاں آرام اور عیش و عشرت کی زندگی صرف جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کا حق ہے۔ یہاں غریب کی قسمت

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.4 2021

میں صرف ڈوبنا، مرنا اور در در کی ٹھوکریں کھانا ہی لکھا ہوا ہے۔ غریب ساری زندگی خود ننگا رہتا ہے، لیکن امیروں کا ہنس ہنس کر پیٹ بھی پالتا ہے۔ ذلت اٹھانا غریب کا مقدر ہے۔ اس ضمن میں نظم "سیلاب" کے کچھ اشعار پیش کیے جا رہے ہیں جس سے احمد فرآز کی حقیقت پسندی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

"ہنس ہنس کر اے غربت زادو
اَن داتاؤں کے چرنوں میں
اپنی جانیں بھینٹ چڑھا دو
بڑھتے آؤ روگ مٹاؤ ہو جاؤ غرقاب
ناچو گاؤ جشن مناؤ آیا ہے سیلاب" (۲۴)

گویا! احمد فرآز ابتدا ہی سے ترقی پسند تحریک کا حصہ رہے اور نہ صرف یہ کہ آپ کے ہاں ابتدا ہی میں ترقی پسند خیالات ملتے ہیں بلکہ ان کی شاعری کو آغاز سے آخر تک اگر غور سے پڑھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان کے کلام میں حقیقت نگاری، غریب عوام کے مسائل، برائے نام آزادی کی حقیقت، مذہب اور وطن کے نام پر عوام کو لوٹنے اور غریب عوام کے استحصال کے تمام تر حربوں سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔

استعماری اور استحصالی قوتوں کا بیان:

فرآز ظلم و ستم اور بربریت کے ماحول کو شدت سے محسوس کرتے ہیں۔ اور ان حالات کا بیان اس کی شاعری کا خاصہ ہے۔ آپ کی ایک نظم "کھنڈر" ہے جس میں آپ کے مطابق ظلم و ستم کا یہ سلسلہ قیام پاکستان کے بعد سے شروع نہیں ہوتا بلکہ یہ تو ایک تاریخی المیہ ہے جس کا پہلا سرا ملنا محال ہے۔ یہاں آپ عالمی سطح پر ظالم اور جابر حکمرانوں کے داستان بیان کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس نظم میں ،چنگیز خان، ہلاکو خان، رماں اور نادر شاہ کے ظلم و جبر کا ذکر کرتے ہوئے مجموعی طور پر جو استحصالی اور ظالم قوتیں ہیں ان کا پردہ چاک کرتے ہیں اور اس طرح انسانیت کے دشمنوں کو انصاف کے کٹہرے میں کھڑا کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کبھی تو ہلاکو و چنگیز و تیمور نے بربریت کے پرچم اٹھائے
کبھی تو رماں اور نادر کی جرار فوجوں نے یلغار کی شہر لوٹے جلائے
یہ کہنہ روایت جن کی گھنی ظلمتوں میں نہ جادہ نہ منزل" (۲۵)

احمد فرآز ایک حساس دل رکھنے والے دور اندیش شاعر تھے۔ دنیا میں جو بھی استعماری کاروائیاں ہوئی ہیں فرآز نے کھل کر اپنی شاعری میں اس پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ اس ضمن میں جہاں بھی کوئی واقعہ رونما ہوتا تھا، اس پر آپ فوراً اپنی رائے کا اظہار شاعری کے پیرائے میں کرتے تھے۔ عموماً آپ کی رائے اتنی مدلل، انصاف اور حقیقت پر مبنی ہوتی ہے کہ کوئی بھی صاحب نظر اسے رد نہیں کر پاتا۔ جس انداز میں امریکہ نے دادگیری کر کے ظلم و ستم اور سیاسی چالو سے دنیا کو اپنی غیض و غضب کا نشانہ بنایا ہوا ہے اس کے نتیجے میں امریکہ پوری دنیا میں ایک استعماری اور استحصالی قوت کی ایک علامت بن گئی ہے۔ فرآز ساری دنیا میں امریکی تسلط اور غاصبانہ رویے کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں۔ آپ امریکہ کے خلاف اپنی رائے کا اظہار اپنی ایک نظم "کالی دیوار" میں کچھ اس انداز میں کرتے ہیں کہ اس سے امریکہ کا مکروہ چہرہ کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ آج اس نظم کو جب ہم پڑھتے ہیں تو موجودہ پراگندہ اور ابتر ماحول میں اس کی معنویت کل کی نسبت اور بھی بڑھ جاتی ہیں۔ ویسے تو امریکیوں کے نزدیک واشنگٹن میں ساری دنیا کی قسمت کے فیصلے ہوتے ہیں۔ اس طرح ان کے نزدیک یہ دنیا کا سب سے اہم مقام ہے۔ لیکن فرآز واشنگٹن کو آج کے دور کی استعماری اور استحصالی قوتوں کا سب سے بڑا مرکز قرار دے رہے ہیں، جہاں دنیا کی دوسری قوموں کے آرمان روندنے کے منصوبے بنائے جاتے ہیں۔ جہاں ناگاساکی، ہیروشیما اور دنیا کے دوسرے ممالک کو برباد کرنے کے گھناؤنے منصوبے بنائے جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سفید حویلی یعنی وائٹ ہاؤس میں بیٹھ کر امریکی سوداگر اور جادوگر یعنی امریکی حکمران جب چاہے اور جو چاہے دنیا کی مظلوم قوموں کی قسمت میں لکھ سکتا ہے۔ چاہے تو وہ کسی بھی لمحے دنیا کے کسی بھی شہر کو ناگاساکی یا ہیروشیما بنا سکتے ہیں، مطلب تباہ و برباد کر سکتے ہیں۔

"ایک سفید حویلی جس میں بہت بڑی سرکار
یہیں کریں سوداگر چھوٹی قوموں کا بیوپار
یہیں یہ جادوگر بیٹھا جب کہیں کی ڈور ہلائے
ہر بستی ناگاساکی ، ہیروشیما بن جائے" (۲۶)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.4 2021

گویا احمد فرؔاز استعماری اور استحصالی قوتوں کا بیان اپنی شاعری میں کرنا ایک طرح سے اپنے ایمان کا حصہ سمجھتے ہیں۔ استحصال چاہے پاکستان، ہندوستان یا پھر افغانستان وغیرہ میں ہو رہا ہو یا پھر ایشیا سے باہر دنیا کے کسی اور حصے میں ہو رہا ہو، آپ اسے اپنی شاعری کا موضوع بناتے ہیں۔ اس کے علاوہ جو استعماری قوتیں ہیں، ان سے اور ان کے استعماری حربوں سے آپ بخوبی واقف ہیں اور ان سب کا خوب صورت بیان آپ کی شاعری میں ملتا ہے۔

مختصر یہ کہ!

احمد فرؔاز کی شاعری پر اس مختصر سے تبصرے سے یہ بات درست ثابت ہو جاتی ہے کہ ان کی زندگی میں انہوں نے جو کچھ دیکھا، جو واقعات ان کے سامنے رونما ہوئے اور جو اس دور کے غالب رجحانات تھے، جنہیں ہم روح عصر کہہ سکتے ہیں، ان تمام حالات و واقعات اور ان کے نتیجے میں جو اثرات پیدا ہوئے، ان تمام چیزوں کو کماحقہ، آپ نے اپنی شاعری میں خوب صورت انداز میں بیان کیا اور اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ آپ کے عصری شعور میں بہت گہرائی پائی جاتی ہے۔ اردو شعرا کے ہاں عصری شعور کے اعتبار سے بات کی جائے، تو معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا ہی سے شعراء کے ہاں عصری شعور کی جھلکیاں مل جاتی ہے۔ کلاسیکی دور میں شعرا کے ہاں اس عصری شعور میں تھوڑا سا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس اعتبار سے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی بہت اہم واقعہ ہے۔ کیونکہ اس واقعے کے بعد اردو شعرا کے ہاں عصری شعور میں شدت کے ساتھ اضافہ دیکھنے کو ملتا ہے اور نتیجے کے طور پر بیسویں صدی میں عصری شعور باقاعدہ طور پر اردو شاعری میں ایک روایت کی حیثیت اختیار کر جاتی ہے اور اس ضمن میں علامہ اقبال اور فیض احمد فیض کے بعد اگر کوئی بڑا نام ہے تو وہ احمد فرؔاز ہی ہے۔

حوالہ جات:

(۱) "فیروز اللغات" لاہور، فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، مرتبہ: الحاج مولوی فیروز الدین، س ن، ص ۸۹۷
(۲) ایضاً، ص ۸۴۳
(۳) دستگیر شہزاد "ہم عصر غزل کا قافلہ سالار" لاہور، مشمولہ: "ماہ نو (فراز نمبر)" شمارہ ۱۔ جنوری، جلد: ۶۲، ۲۰۰۹ء، ص: ۱۶۹
(۴) احمد فرؔاز "تنہا تنہا"، اسلام آباد، دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ص: ۲۲
(۵) ایضاً، ص: ۳۹
(۶) ایضاً، ص: ۳۶
(۷) ایضاً، ص: ۱۴۰
(۸) احمد فرؔاز "نایافت"، اسلام آباد، دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء، ص: ۶۱
(۹) احمد فرؔاز "نایافت"، اسلام آباد، دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء، ص: ۱۰۹
(۱۰) احمد فرؔاز "شب خون"، اسلام آباد، دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص: ۱۴
(۱۱) ایضاً، ص: ۲۰
(۱۲) ایضاً، ص: ۲۰
(۱۳) احمد فرؔاز "شب خون"، اسلام آباد، دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص: ۲۰
(۱۴) ایضاً، ص: ۲۶
(۱۵) محبوب ظفر "احمد فرؔاز شخصیت اور فن" اسلام آباد، اکادمی ادبیات، ۲۰۰۶ء، ص: ۱۲۷
(۱۶) احمد فرؔاز "جاناں جاناں"، اسلام آباد، دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ص: ۸۷
(۱۷) احمد فرؔاز "شب خون"، اسلام آباد، دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص: ۸۲
(۱۸) احمد فرؔاز "تنہا تنہا"، اسلام آباد، دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ص: ۱۶۳
(۱۹) ایضاً، ص: ۱۰۴
(۲۰) احمد فرؔاز "کوئی مارشل لاء مجھے حق بات کہنے سے نہیں روک سکا"، لاہور، مشمولہ، ماہ نو (احمد فرؔاز نمبر)، شمارہ ۱۔ جنوری، جلد: ۶۲، ۲۰۰۹ء، ص: ۳۰۸
(۲۱) احمد فرؔاز "تنہا تنہا"، اسلام آباد، دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ص: ۹۰
(۲۲) ایضاً، ص: ۳۲
(۲۳) ایضاً، ص: ۲۸
(۲۴) ایضاً، ص: ۱۵۷
(۲۵) ایضاً، ص: ۲۴
(۲۶) احمد فرؔاز "خواب گل پریشاں ہے"، اسلام آباد، دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ص: ۸۴